محمد مسعود الحسن بدر
اسکالر،پی ایچ ڈی، شعبہ اقبالیات،علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی،اسلام آباد
ڈاکٹر نورینہ تحریم بابر
استاد، شعبہ اُردو،علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی،اسلام آباد

اقبال شکنی کی روایت

Muhammad Masood-ul-Hassan Badar
Lecturer,Fauji Foundation College (Boys), New Lalazar, Rawalpindi.
Dr.Noreena Tehreem Babar
Assodiate Professor (URDU), AIOU, Islamabad.

Iqbal Shikni ki Riwayat

Iqbal's recognition as well as Iqbal's rivalry has also become a permanent subject. In beginning a lot of contradictions were started on Iqbal's literary statement in which connoisseurs were prominent after that when Iqbal introduced the concept of Khudi (Ego). In mysticism and Sufism, Existential mysticism and Hafiz Sherazi was criticized than typical followers, supporters of delighting eras Poetry old mystics fans and Greek ancient followers of eastern philosophy have become the enemies but when he suggested the separate state at the basics of Muslim socialism the Hindu nation and all the Muslim followers not only become his enemy but also started the Character assassination and nothing left behind specially Hindus, congress leaders, atheist, Socialist and Qadiani were against that.

Key words: *Iqbal's Recognition, Iqbal's Rivalry, Permanent, Beginning, Contradiction, Iqbal's Literary Statement, Connoisseurs.*

اقبال شناسی کے ساتھ ساتھ اقبال شکنی کی روایت کا آغاز بھی بیسویں صدی کے آغاز میں ہوا۔ ابتدا میں ان کے کلام پر فنی نوعیت کے اعتراضات کیئے گئے جو محاورہ وروز مرہ، تذکیر و تانیث اور زبان و بیان تک محدود تھے اس میں اکثر و بیشتر اہلِ زبان شامل تھے مگر جب انہوں نے شاعری کی شکل میں اپنا پیغام خودی پیش کرنا شروع کیا اور خاص طور پر وجودی تصوف کے دلدادہ اور فرسودہ یونانی فلسفۂ اشراق کے پیروکار سب ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد اقبال کے اجتہادی نقطۂ نظر کے سبب علما نے ان کی مخالفت کی۔ پھر مسلم نیشنلزم کی بنیاد پر ہندو قوم پرست اور ان

کے مسلم حمایتی اقبال کے مخالف ہو گئے اور اقبال کی کردار کُشی کی ۔ جس میں ہندو قوم پرست، کانگرسی علما، علاقائی متعصب، دہریئے ،اشتراکی اور احمدی سر فہرست تھے۔

جو ادبی معرکہ آرائی میر و سودا اور انشاء و مصحفی کے دور میں شروع ہوئی، شاید یہ اسی روایت کا اثر تھا کہ بیسویں صدی کے شروع میں جب اقبال کی شاعری کا چرچا ہُوا تو اہلِ زبان نے لسانی تفاخر کی بنا پر اور کچھ اہلِ پنجاب سے لسانی تعصب کی بنیاد پر، اقبال کی شاعری کو نشانۂ اعتراض بنایا. ماہرینِ اقبال کے نزدیک اس میں اعتراض کا پہلو کم اور مخالفت کا رویہ زیادہ نمایاں تھا اہلِ لکھنؤ کو اہلِ زبان ہونے پر فخر ہے اور اقبال پر زیادہ تر اعتراضات انہی کی طرف سے ہوئے لیکن مدت تک لکھنؤ والوں کو اہلِ دلی نے اہلِ زبان تسلیم نہ کیا تاہم لکھنؤ والوں نے "دہلوی دبستانِ شاعری" کے مقابلے میں ''لکھنؤ کا دبستانِ شاعری'' قائم کیا اور دونوں دبستان معرکہ آرا رہے۔ اقبال لکھنوی اور دہلوی دبستانوں سے وابستہ شعراء کی باہمی چپقلش سے الگ رہے۔

اقبال شکنی کا باقاعدہ آغاز زبان و بیان پر تنقید ۱۹۰۳اور ۱۹۰۴کے دوران ہُوا جب ''تنقید ہمدرد''(۱) کے فرضی نام سے ایک مضمون اردو زبان پنجاب میں یکم اگست ۱۹۰۳ء کے ''اردوئے معلی'' میں شائع ہُوا۔''اودھ پنچ'' نے مزاحیہ اور طنزیہ انداز میں اقبال کو ہدفِ تنقید بنایا۔''نیرنگ خیال'' کے اگست ۱۹۳۴ء کے شمارے میں ایک مضمون بعنوان ''عہدِ حاضر کے شعراء کی خامیاں'' 'ناقدِ ادب'' کے فرضی نام سے شائع ہوا ۔جب ''بانگ درا''۱۹۲۴ء میں منظر عام پر آئی تو اس پر جوش ملسیانی نے '' جراح'' کے فرضی نام سے لاہور کے ایک ہفت روزہ اخبار ''پارس'' میں قسط وار تنقیدی مضامین کا سلسلہ شروع کیا جو کہ ۱۹۲۸ء میں کتابی شکل میں درد نگودری نے ''اقبال کی خامیاں'' کے عنوان سے شائع کیا''زمانہ''فروری۱۹۱۹ء بھولا ناتھ کرنل نے اقبال کے ایک فارسی قطعہ 'ہیچ می دانی کہ صورت بند ہستی بافرانس' پر زبان و بیان کے اعتبار سے اعتراضات کئے تھے۔

۱۹۳۱ء میں سید برکت علی گوشہ نشین نے اپنی کتب اقبال کا شاعرانہ زوال، مکائدِ اقبال، خادمانہ تبدیلیاں اور مؤدبانہ تبدیلیاں میں اقبال پر نقد کیا۔ کلیم الدین احمد کی کتاب ''اقبال ایک مطالعہ "میں متعدد اعتراضات کئے گئے۔ ۔ بالِ جبریل شائع ہوئی تو اس پر بھی اہل زبان نے اعتراضات کیے۔ رسالہ شاعر آگرہ میں بال جبریل پر تین معترضانہ مضامین شائع ہوئے۔ ان میں ایک مضمون نامور شاعر اور نقاد سیماب اکبر آبادی کا تھا۔ سید آل احمد سرور نے ''اقبال اور اس کے نکتہ چیں'' کے عنوان سے جو مضمون رسالہ اردو اقبال نمبر میں لکھا ہے۔ اس میں صرف ایک غلط لفظ پر ہیز سے تعرض کیا ہے۔ عبدالسلام ندوی لکھتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب کے کلام میں ادب و انشاء کی خامیاں ضرور ہیں۔ تاجور نجیب آبادی کے نزدیک اقبال بڑے شاعر ضرور ہیں لیکن زبان و بیان کے باب میں مستند نہیں کیونکہ ان کے یہاں کئی اغلاط ملتے ہیں۔ جوش ملیح آبادی کے ہاں صوبائی تعصب نمایاں ہے۔ ان کے خیال میں پنجابیوں نے اقبال کا قد کاٹھ بلند کیا ہے۔ جوش ملیح آبادی نے اپنی شاعری، اپنی آپ بیتی ''یادوں کی بارات''اور، اخباری کالم اورانٹرویوز میں اقبال شکنی کا مظاہرہ کیا۔ عبدالمالک آروری کے بقول اقبال کی غزلوں میں کوئی خاص بات نظر نہیں آتی عبدالسلام ندوی

کے نزدیک ڈاکٹر صاحب کی غزلیں لطیف مضامین سے خالی ہیں احتشام حسین نے اپنے مخصوص نقطۂ نظر کے باعث اقبال کو ہدفِ اعتراض بنایا ہے۔ فروری ۱۹۰۴ء میں ''علی گڑھ منتھلی'' میں حاجی محمد خان نے ایک طویل مضمون بعنوان ''اردو ادب میں فنِ تنقید کی کمی'' شائع ہوا۔ ان کے خیال میں شعرائے اردو کی لمبی فہرست میں ایک مرزا غالب ہی ایسے شاعر ہیں جن کے کلام کو بلحاظِ جذبات و محسوسات کلامِ اقبال پر ترجیح دی جاسکتی ہے۔ (۲)

سبط شبیر زیدی نے اپنے کتابچے ''اقبال کا پوسٹ مارٹم'' میں اقبال کے شاعر مشرق ہونے سے انکار کیا ہے۔ ان کے نذدیک اقبال کو پاکستان کا خالق سمجھنا درست نہیں نیز ''سر'' کے خطاب پر بھی اعتراض کیا۔ ان کا سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ اقبال حضرت عیسیٰ کی آمدِ ثانی اور امام مہدی کے آنے کا جو عقیدہ ہے اسے نہیں مانتے۔ اقبال کی سوانح اور شخصیت پر سب سے زیادہ اعتراضات محمد امین زبیری کی تصنیف ''خدوخال اقبال'' میں ہیں۔ یہ کتاب پڑھتے ہوئے یہی احساس ابھرتا ہے کہ مصنف کو علامہ کی ذات سے شدید عناد ہے اور وہ ان کے بارے میں انتہائی تعصب میں مبتلا ہیں۔ (۳) سبط شبیر زیدی اور محمد امین زبیری اگر ذاتی عناد سے گریز کرتے ہوئے افکارِ اقبال اور احوال و آثارِ اقبال کے ساتھ ساتھ کلامِ اقبال کا غیر جانبدارانہ تجزیہ کرتے تو شاید ان کے اعتراضات کا انہیں خود ہی جواب مل جاتا مگر انہوں نے ذاتیات پر آکر اپنی تنگ نظری کا ثبوت پیش کیا ہے یہی تعصب ہمیں سید حامد جلالی کے ہاں بھی ملتا ہے۔ ''علامہ اقبال اور ان کی پہلی بیوی'' کتاب سید حامد جلالی نے تحریر کی۔۔ آفتاب اقبال کا ذاتی عناد اس کتاب کی شکل میں ظاہر ہوا ہے۔۔اس کتاب کی اشاعت سے پہلے بقولِ حامد جلالی ۱۹۴۶ء میں ڈاکٹر عبدالسلام خورشید کے دو مضامین ''اخبار خواتین'' میں شائع ہوئے جن میں اقبال پر اعتراضات کئے گئے ہیں۔ اقبال سنگھ نے اپنی کتاب The Ardent Pilgrim میں اقبال کے خلاف الزام تراشیاں کی ہیں۔ اس کتاب کا ایک باب Matters of No Importance۔ پورا باب اقبال شکنی پر مشتمل ہے۔ ماہنامہ ''انشاء'' میں بعنوان ''ادیبوں کی حیات معاشقہ'' کے ایک مضمون ''اقبال کی ذاتی زندگی کا ایک گوشہ'' میں اقبال کی شخصیت پر اعتراضات کئے گئے۔ (۴) معترضین نے افکارِ اقبال سے قطع نظر ان کی ذاتی زندگی کو ٹٹولنے کی کوشش کی ہے۔ یہ اعتراضات اقبال کو اقبال بنانے سے روک نہیں سکتے۔ البتہ ان اعتراضات سے معترضین کی کوتاہ نظری کا اندازہ ضرور ہوتا ہے۔ اس طرح کے مذید کچھ اعتراضات ملاحظہ فرمائیں۔

''رموزِ بیخودی'' کے آخری حصے کے ایک شعر: بادہ ہاباماہ سیماباں زدم / بر چراغِ عافیت داماں زدم ،اور کی نظم ''عاشقِ ہرجائی'' کے ایک شعر: عین شغل مے میں پیشانی ہے تیری سجدہ ریز / کچھ ترے مسلک میں رنگِ مشرب مینا بھی ہے میں اقبال کی شراب نوشی کا ثبوت مانا گیا۔ 'صوفی غلام تبسم' اور 'عبدالمجید سالک' نے یہ مفروضہ پیش کیا کہ کسی زمانے میں اقبال نے شراب پی ہو، بعد میں بہرحال چھوڑ دی۔ محمد شریف بقا نے اپنے ایک انٹرویو میں اقبال پر مے نوشی کا الزام لگایا ہے۔ محمد فاضل نے اپنے مضمون بعنوان ''اقبال اور عشقِ رسول'' میں رموزِ بیخودی کا درج بالا شعر نقل کر کے دعویٰ کیا ہے کہ ۱۹۱۱ء میں شاہی مسجد لاہور میں جنگِ طرابلس پر نظم سنانے کے بعد اقبال نے علی بخش سے کہا کہ میں آج کے بعد شراب نہیں پیوں گا۔ چنانچہ مرتے دم تک شراب کو منہ نہ لگایا۔ (۵) عتیق صدیقی کے نزدیک

اقبال اور شبلی کم و بیش ایک ہی زمانے میں عطیہ کے دامِ الفت میں گرفتار ہوئے۔ گیان چند کے خیال میں اقبال حسن یورپ سے بہت خیرہ ہوئے تھے۔ (۶) اس میں شک نہیں کہ اقبال کے معاشقوں کا موضوع بڑی حد تک، عطیہ بیگم کی کتاب "اقبال" کی بدولت اقبالیات کا جز بنا۔ عبدالمجید سالک کی "ذکر اقبال" سے اقبال کی "رنگ رلیوں" کا تاثر عام ہوا۔ شورش نے اپنی کتاب "اس بازار میں" ایک قصہ اقبال کے حوالے سے درج کیا ہے جو کہ "شاعر" بمبئی کے اقبال نمبر ۱۹۸۸ء میں بھی مذکور ہے۔ (۷) آسی ضیائی کے خیال میں اقبال کی "جنسی محبت" پر مشتمل نظمیں یورپ کی "بے قید رنگینوں" کا نتیجہ ہیں نیز "عاشق ہر جائی" میں اقبال نے اقبالِ جرم کیا ہے۔ پروفیسر محمد عثمان کا مقالہ بعنوان "حیاتِ اقبال کا ایک جذباتی دور" اپریل ۱۹۵۹ء میں مجلہ "اقبال" میں شائع ہوا انھیں اقبال کے حادثۂ عشق پر اصرار ہے۔ محمد عظیم کا مضمون "اقبال ایک حسن پرست" مارچ اپریل ۱۹۶۲ء کے "سات رنگ" میں شائع ہوا۔ اسی سال محمد عظیم فیروز آبادی نے اسی مضمون میں "اقبال کی حیاتِ معاشقہ" کے عنوان سے "نگار" کے اقبال نمبر میں اقبال پر تنقید کی۔ "اردو ڈائجسٹ ہما" میں محمد عظیم فیروز آبادی کا اس ضمن میں ایک اور مضمون بعنوان "اقبال کی حیاتِ معاشقہ کے بارے میں کچھ اور" میں لکھتے ہیں کہ: "جلال الدین کے یہاں رقص و نغمہ کی محفلوں میں شریک ہونا اس کا تقریباً روز کا معمول تھا اور ہیرا منڈی سے اس کی دلچسپی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔۔۔ بڑے بیٹے آفتاب سے تعلقات کا انقطاع بھی کسی حسینہ کی شرارت کا نتیجہ تھا۔۔۔ عبدالمجید سالک نے لکھا ہے کہ اقبال جوانی میں اپنی رنگ رلیوں کے لیے مشہور تھا رستوگی نے Iqbal in Final Countdown میں اقبال پر سنگین تر الزامات عائد کیے ہیں۔ اقبال کی اسلام سے وابستگی ہندوؤں کو اس قدر ناپسند تھی کہ انہوں نے کھلے بندوں اقبال شکنی کی مہم شروع کر دی۔

رسالہ "وشوابھارتی "اگست تا اکتوبر ۱۹۴۰ء میں ڈاکٹر پی ٹی راجو شاستری نے اقبال کی تصوریت (Idealism of Iqbal) کے عنوان سے انگریزی میں ایک طویل مضمون لکھا جس میں علامہ اقبال کے افکار پر متعدد اعتراضات کئے گئے۔ عبدالمالک آروی اپنے ایک مضمون "اقبال اور سیاسیات۔ تضادِ فکر و عمل" میں لکھتے ہیں: "وہی شاعری جو حکیم سنائی کے الفاظ میں "گرفتہ چینیاں احرام و مکی خفتہ در بطحا" کو قیامت سے تعبیر کرے، عملی دنیا میں اس قدر تن آسان اور عافیت کوش بنا جائے کہ اس کو حق و باطل میں تمیز ہی نہ ہو' اقبال کے اس تضادِ فکر و عمل پر حامیانِ آزادی نے خوب پھبتیاں اڑائی ہیں۔ (۸) معترضین نے اقبال شکنی کی روایت کو مضبوط بنانے کے لیئے سر کے خطاب اور اقبال کے محبِ وطن ہونے پر بھی شدید اعتراض کیا ہے۔ اس طرح کے اعتراضات بھی افکارِ اقبال کو منہدم نہیں کر سکے البتہ ایسے اوچھے ہتھکنڈوں سے ان کے اپنے چہرے بے نقاب ہوئے ہیں۔" صاحبزادہ اقتدار احمد خان بد ایوانی اقبال کی زندگی کو ان کی شاعری کے برعکس قرار دیتا ہے۔ ممتاز حسین لکھتے ہیں کہ: یہ ایک حقیقت ہے کہ اقبال کی عملی زندگی وہ نہیں جو ہونی چاہیئے تھی۔ عتیق صدیقی کے بقول اقبال کے فکر و عمل میں اتحاد نہ تھا ان کی زندگی میں فکر و عمل کے خانے ہی الگ تھے عمل کی خانے میں انگریز دوستی کا راج تھا۔ اسی جملے کی بنیاد پر اقبال سنگھ نے اقبال کی دوہری شخصیت کے علاوہ ان کے قول و فعل کا تضاد بھی پیش کیا ہے۔ آل احمد سرور اور سلیم احمد کے بقول اقبال کی شاعری بے

عملی کی طرف کھینچتی ہے۔ جب کہ علی عباس جلال پوری کے نزدیک اقبال جدوجہد سے لاتعلق اور طبعاً روحانی تھے اقبال شکنی کے حوالے سے طفیل دارا نے اپنے کتابچے ''اقبال اور نسوانی حسن''میں مخالفینِ اقبال کی خرافات کو جمع کر کے اقبال کے حوالے سے اس کا تجزیہ کیا۔ ان کے خیال میں اقبال کا کارنامۂ زندگی جنسی ناآسودگی کا ردعمل ہے۔ علی عباس جلالپوری نے علامہ اقبال کو بالطبع رومانی کہا ہے۔ حمید نسیم کو اعتراض ہے کہ اقبال نے پیامِ مشرق کو امیر امان اللہ کے نام منعون کیوں کیا۔ ''غارت گر ملت'' میں انور شیخ نے اقبال کو اعتراضات کا ہدف بنایا ہے۔

مولوی احمد دین کی کتاب ''اقبال'' پروفیسر عبدالحق کے بقول تحریف و تنسیخ کی مثالوں سے پُر ہے۔ ظفر اقبال اپنے ایک مضمون "غالب کا ہے اندازِ بیاں اور" میں معترض ہیں کہ اقبال نے اپنا مجموعہ کلام ''پیامِ مشرق'' والی افغانستان غازی امان اللہ خان کے نام معنون کیا اور جب نادر شاہ غازی نے امان اللہ کے تخت پر قبضہ کر لیا تو علامہ نے اپنی اگلی کتاب نادر شاہ کے حضور پیش کی جبکہ ''ضرب کلیم'' نواب آف بھوپال سے منسوب ہوئی حالانکہ وہ بے روزگار نہیں تھے اور پیشہ وکالت کو باقاعدہ اختیار کر رکھا تھا ''معرف صحافی خوشونت سنگھ کا ایک مضمون کیرالہ سے شائع ہونے والے انگریزی رسالے ''دی ویک'' میں ''عشق باز'' کے عنوان سے شایع ہوا۔ یکم جنوری ۱۹۲۳ء کو علامہ اقبال کو ''سر'' کا خطاب ملا۔ اس خطاب یافتگی پر مختلف اطراف سے اعتراضات ہوئے۔ عبدالمجید سالک نے اپنی ایک نظم اور اپنے ایک کالم میں اس خطاب کو ہدفِ تنقید بنایا ہے۔ مولانا ظفر علی خان نے بھی ایک نظم بعنوان "سر ہو گئے اقبال "لکھی، جو "صحیفہ" اقبال نمبر حصہ دوم ،نومبر دسمبر ۱۹۷۷ء میں شائع ہوئی۔[۹] محمد علی جوہر کو بھی اقبال کی خطاب یافتگی پر اعتراض تھا۔ عتیق صدیقی نے بھی اپنی کتاب "اقبال جادوگرِ ہندی نژاد" میں اقبال کے خطاب پر تبصرہ کیا ہے۔ شیخ عبدالماجد نے اپنی کتاب ''اقبال اور احمدیت'' میں سر کے خطاب پر اعتراضات کو دہرایا ہے۔ جوش ملیح آبادی نے روزنامہ جنگ کے ایک اخباری کالم میں ''سر'' کے خطاب پر شدید ترین اعتراض کیا ہے۔ پروفیسر رالف رسل کے بقول اقبال شاہ پرست اور اعرابی ذہنیت کے حامل تھے۔[۱۰]

ڈاکٹر علی حیدر نیئر نے بھی اقبال پر شاہ پرستی کا الزام لگایا۔ ڈاکٹر سنہا نے Iqbal: the Poet and His Message کے باب "اقبال اور حب الوطنی" میں اقبال کو محب وطن قرار دیا ہے۔ نیز اقبال کی فارسی شاعری پر تعرض کیا ہے اقبال کی ''فارسی گوئی'' پر بہت سے مستشرقین اور ہندوؤں نے اعتراضات کئے ہیں جن میں برطانوی سکھ اقبال سنگھ اور ایچ ٹی سورلے اور رالف رسل قابل ذکر ہیں۔ اقبال سنگھ نے The Ardent Pilgrim میں' سورلے نے اپنی کتاب Pervagas Musa میں اور الف رسل نے ایک خطبے بعنوان ''اقبال اور ان کا پیغام" میں اقبال کی فارسی گوئی کو ہدفِ تنقید بنایا ہے۔ ڈاکٹر سچد انند سنہا نے عبداللہ یوسف علی کے حوالے سے لکھا ہے کہ اقبال فلسفی زیادہ تھے اور عملی سیاستدان کم تھے۔ اقبال سنگھ کے بقول اقبال عملی اور سیاسی انسان کی حیثیت سے ناکام رہے۔[۱۱]

ایچ ٹی سورلے کے خیال میں اقبال ایک عظیم شاعر ہوتے اگر ان میں کوہِ ایورسٹ پر چڑھ جانے کا جذبہ ہوتا۔ لالہ دینا ناتھ نے اپنے ایک مضمون ''شمالی ہند کا ایک خوفناک مسلمان۔ ڈاکٹر اقبال کی گستاخیوں پر چند خیالات'' میں اقبال کو ایک جنونی، شر انگیز، زہریلا، متعصب، خوفناک، تنگ خیال، پست نظر، نالائق اور قابلِ نفرت شخص قرار دیا۔ ڈاکٹر کنور کرشن بالی نے ایک طویل مضمون بعنوان ''اقبال پر ایک تنقیدی نظر'' میں بار بار اقبال کی اسلام سے وابستگی، اسلامی تصورِ قومیت اور تصورِ پاکستان کو ہدفِ تنقید بنایا ہے۔ بیشتر ہندوؤں کے نزدیک اقبال کا تصور پاکستان سے کوئی تعلق نہیں یا یہ کہ وہ اس سے دستبردار ہوگئے تھے۔ اس سلسلے میں ایڈورڈ تھامسن کی تحریریں بطور ثبوت پیش کی جاسکتی ہیں۔ ڈاکٹر اجندر پرشاد اور ڈاکٹر امبیڈکر کا بھی اپنی تصانیف میں یہی موقف ہے۔ نظریۂ پاکستان کو کمزور کرنے کے لیے ڈاکٹر سچد انند سنہا، فراق گورکھپوری اور تاراچرن رستوگی نے اس رجحان کو پروان چڑھایا کہ اقبال کو عظیم شاعر مانا جائے اور عظیم مفکر کے درجے سے گرا دیا جائے۔ ڈاکٹر حکم چند نیر کا بھی یہی خیال ہے کہ اگر اقبال کی شاعری کو الگ کر دیا جائے تو ان کے فلسفیانہ مذہبی اور سیاسی افکار ریت کی دیوار ثابت ہوں گے۔ شمس الرحمان فاروقی کا موقف بھی یہی ہے۔ مجنوں گورکھپوری اور کلیم الدین احمد کے بقول اقبال کی پہلی اور آخری حیثیت شاعر کی ہے۔ [۱۲] محمد علی جوہر نے ترکِ موالات، مسئلہ قومیت اور سائمن کمیشن کے مقاطعے کے ضمن میں اقبال کو اعتراضات کا ہدف بنایا بلکہ وطنی قومیت کے جوش میں اقبال کے خلاف یکے بعد دیگرے پانچ مضامین لکھ کر شائع کروا دیئے۔ مولانا حسین احمد مدنی نے علامہ اقبال کو ''ساحرینِ برطانیہ'' کے سحر میں مبتلا قرار دیا اور ''کودکِ ناداں'' کے لقب سے نوازا۔ مولانا حسین احمد نجیب کے بقول اقبال ان شعراء میں شامل ہیں جن کی قرآن نے مذمت کی ہے [۱۳] مولانا نجم الدین اصلاحی لکھتے ہیں کہ ہم ڈاکٹر صاحب کو ایک شاعر اور فلسفی سے زیادہ حیثیت دینے کو شرعی جرم سمجھتے ہیں۔ [۱۴] مولانا ظفر علی خان اقبال کو انگریزوں کے کاسہ لیس اور آزادی کی قبر کھودنے والے قرار دیتے ہیں۔ قاضی عبدالرحمن ہاشمی نے اپنے ایک مضمون بعنوان ''مشترکہ تہذیبی ورثہ اور اقبال'' میں علامہ اقبال پر الزمات لگائے اور ان پر تقسیم ملک اور اس کے نتائج کی ذمہ داری اور مذہبی فرقہ پرستی کے حوالے سے اعتراضات کئے۔ مسئلہ قومیت کے حوالے سے آل احمد سرور اقبال پر بار بار اعتراض کرتے ہوئے ابوالکلام آزاد کا موقف بطور حوالہ پیش کرتے ہیں۔

مظفر حسین برنی نے اقبال کے تصور اسلامی اتحاد کو پُر فریب امید قرار دیا۔ پروفیسر مشیر الحق نے ''اقبال ایک مسلم سیاسی مفکر'' میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ اصل اقبال شاعری کے بجائے خطبات اور خطوط میں ہے۔ اس سے پہلے ایس حسن احمد نے اپنی انگریزی کتاب "اقبال، ان کے سیاسی تصورات چوراہے پر" میں یہی استدلال پیش کیا ہے۔ حسن احمد نے اقبال کے خطوط بنام تھامسن، خطبہ الہ آباد ۱۹۳۰ء اور خطبۂ لاہور ۱۹۳۲ کی بنیاد پر نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ''پاکستان اسکیم'' اقبال کی نہیں تھی۔ اقبال شکنوں میں ایک اور اہم نام فراق گورکھپوری کا ہے۔ فراق کا انہدام اقبال کے حوالے سے ایک انٹرویو thus spoke firaq کے عنوان سے ہے جو اب کتابی صورت میں شائع ہو چکا ہے۔ کتاب کے چوتھے باب میں انہوں نے اقبال کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ فراق گورکھپوری نے اشتراکی ہونے کے باوجود ہندومت کی

پاسداری کی ہے اور اسے تقویت دینے کے لیے مستشرقین اور اقبال کا سہارا لیا ہے۔ اور یہ پاسداری ان کے اشتراکی موقف سے متصادم نظر آتی ہے۔ جمیل مظہری کے بقول اقبال کی شاعری میں قومی منافرت کا کڑوا زہر ہے۔۔ مولانا صلاح الدین احمد ''پھر وطنیت کی طرف'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ:''اقبال نے جب ہمیں پاکستان کا تصور دیا تو یہ بلاشبہ اس کے آفاق گیر تصور ملت سے کوئی نسبت نہیں رکھتا تھا لیکن اس کی رجعت ایک حقیقت مندانہ رجعت تھی۔'' اصفہانی کے بقول اقبال کو تصور پاکستان کا خالق قرار دینا تاریخ کو مسخ کرنا ہے۔ غلام مصطفی شاہ نے علامہ اقبال' قائداعظم اور اسلام اور اردو زبان کے خلاف زہر افشانی کی۔ وہ ہنستا ہے کہ اقبال صحیح معنوں میں ایک فاشسٹ تھا اور اپنے استاد نیٹشے کی طرح پاگل۔ فحش اوباش اور شہوت پرست اقبال کا سندھ کے اسلام سے کوئی تعلق نہیں[۱۵] ۱۹۷۳ء میں بریڈ فورڈ سے ایک کتابچہ بشکل فتویٰ شائع ہوا جس میں اقبال کے خلاف اعتراضات کئے گئے۔۔علامہ مشرقی اور ابوالکلام اقبال کے شدید معترضین میں سے تھے۔۱۹۸۷ء میں ناروے میں مقیم پاکستانیوں کی طرف سے یوم آزادی کے موقع پر سردار عبدالقیوم سابق صدر آزاد کشمیر نے نے علامہ اقبال کے خلاف چار تقاریر کیں۔ دو ناروے میں جنھیں سردار عبدالقیوم نے ''خطباتِ ناروے'' کہا ایک ''جنگ فورم'' لاہور میں جو ۲ جنوری ۱۹۸۸ء کو روزنامہ جنگ لاہور میں شائع ہوئی۔ چوتھی تقریر ''میٹ دی پریس'' پروگرام میں راولپنڈی میں کی۔ فیروز الدین طفرائی نے ایک رسالہ ''لسان الغیب'' شائع کیا اور لکھا کہ 'اسرار خودی' پڑھ کر مایوسی ہوئی۔ اقبال نے کلام حافظ میں موجود' جوش' ولولہ انگیزی' تحریک عمل' صبر واستقلال' حزم واحتیاط اور فلسفۂ اخلاق کی تعلیم کو نظر انداز کر دیا ہے۔ مشیر حسین قدوائی نے اپنے مضمون بعنوان اسرار خودی دیوانِ حافظ میں اقبال کے مصرع 'الحذر از گوسفنداں الحذر' کو بے ادبانہ اور طفلانہ کہہ کر اس کا جواب لکھا اور حافظ کے اشعار نقل کر کے اقبال کے اس عہدے کی تردید کی کہ حافظ کا فلسفہ خودی کو فنا کرتا ہے یا پست ہمتی سکھاتا ہے۔ پیرزادہ مظفر احمد فضلی ور ملک کاشمیری نے مثنویاں لکھ کر حافظ کی تعریف اور اقبال پر تنقید کی۔ اوراقبال کو' شغال' ،'خرد دشمنِ اسلام' اور 'رہزنِ ایمان' جیسے خطابات سے یاد کیا۔ ملک محمد کشمیری قادری نے اپنی مثنوی میں حافظ کی تعریف اور اقبال پر تنقیص کی ہے۔ ایک عرصہ بعد اسرارِ خودی کے خلاف دو اور مثنویاں لکھی گئیں۔ ڈاکٹر عشرت انور کی مثنوی ''سرودِ بے خودی'' کے نام سے شائع ہوئی اور دوسری اور آخری مثنوی خواجہ معین الدین جمیل۔ ''سرالاسرار'' کے نام سے لکھی گئی۔ میرٹھ کے رسالے ''اسوۂ حسنہ'' نے فروری ۱۹۱۶ء کو اشاعت میں اسرارِ خودی اور ان مضامین کو پڑھ کر جو اس کی حمایت یا مخالف میں 'خطیب' اور 'وکیل' میں شائع ہو چکے تھے پر رائے دی کہ مثنوی اسلامی نقطۂ نظر سے قابل اعتراض ہے۔ اقبال کی مخالفت میں ایک رسالہ ''بت شکن مصروف بہ جہاد سخن' موازنہ اقبال وتاج'' کے عنوان سے فدا حسین فدا کی نظامت میں شائع ہوا۔ ادبائے مغرب نے مثنوی پر تبصرے کیئے۔ بعض نقادوں نے مثنوی کو تحسین کی نگاہ سے دیکھا لیکن بعض نے اسے خطرے کی گھنٹی قرار دیا۔ ایل ڈکنسن نے اقبال کو افقِ مشرق پر طلوع ہونے والا سرخ ستارہ قرار دیا۔ اسرارِ خودی پر ڈکنسن کا ریویو ۲۴ دسمبر ۱۹۲۰ء کو ''دی نیشن'' لندن میں شائع ہوا۔ ریویوس ڈکنسن نے اقبال کو پین اسلامسٹ تصور کیا ہے۔

علامہ اقبال پر غیر اسلامی عقائد و رجحانات خصوصاً تفضیل علیؓ اور شیعت کے الزمات عائد کئے گئے۔ یہاں تک کہ خواجہ حسن نظامی جو اقبال کے قریبی ساتھیوں اور دوستوں میں سے تھے کے بقول اقبال تفضیلی عقیدہ رکھتے تھے۔ شیخ اعجاز احمد کا موقف بھی یہی ہے۔ اقبال' اسلامی جمہوریہ پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کے مصنف محمد حسن نے اقبال کے اہل بیت کی صحبت میں کہے گئے اشعار کی بنیاد پر انھیں بدعقیدہ قرار دیا ہے۔ محمد حنیف شاہد نے شیخ عبدالقادر کے حوالے سے لکھا ہے۔ کہ ایک مولوی صاحب جو عربی کے پروفیسر تھے نے اقبال کے بارے میں کہا ہے کہ: ہے اس کی طبیعت میں تشیع بھی ذرا سا/ تفضیل علیؓ ہم نے سنی اس کی زبانی۔ڈاکٹر جاوید اقبال کے بقول ۱۹۲۴ء میں تحریر کردہ ''اجتہاد'' کے مقالے پر اقبال کو شدید تنقید کا سامنا کرنا پڑا۔ مولانا ابو محمد سعید دیدار علی شاہ خطیب مسجد وزیر خان لاہور نے اقبال کے خلاف فتویٰ جاری کیا۔ ابتدائی دور کے بعض دوسرے اشعار کو بھی ناسمجھی کی بنا پر ہدف تنقید بنایا گیا ہے۔ بانگِ درا کی نظم ''ہمالہ'' کے اشعار بھی اعتراض کا ہدف بنے۔ڈاکٹر برہان الدین فاروقی نے خطباتِ اقبال پر ایک باقاعدہ ناقدانہ کتاب بعنوان Iqbal's Reconstruction اقبال کی وفات کے پانچ چھ برس بعد تحریر کی لیکن اسے شائع نہ کرواسکے۔ اس کا مسودہ اقبال اکادمی کے کتب خانے میں موجود ہے۔ مصری عالم محمد البہی نے خطباتِ اقبال پر طعن و تعریض کے ساتھ ساتھ متعدد اعتراضات بھی کئے ہیں۔ ماہنامہ ''الشریعہ''میں مولانا زاہد الراشدی نے اپنے مضمون ''اقبال کا تصورِ اجتہاد'' میں اقبال پر اعتراضات کئے ہیں۔ محمد الطاف حسین آہن گر نے اپنے مقالوں Iqbal and Quran: A Legal Perspectives Iqbal and Hadith A Legal Perspectives میں اقبال کی تحسین کے ساتھ تعریض بھی کی ہے۔جون ۲۰۰۶ء کے ساحل ،کراچی کے شمارے میں' خطباتِ اقبال پر شدید اعتراضات کئے گئے ہیں۔ شبیر احمد خان غوری کے مقالات مختلف موضوعات پر ۱۹۵۶ء سے ۱۹۸۵ء تک مختلف رسائل میں آٹھ جلدوں میں ''اقبالیات'' کے عنوان سے مرتب کئے گئے ہیں ،انہوں نے اقبال کے مختلف نظریات پر شدید اعتراضات کئے ہیں۔ انہوں نے اقبال کے تصور زمان و مکاں پر شدید اعتراضات کئے ہیں اور اقبال پر غیر اسلامی افکار سے متاثر ہونے کا الزام لگایا ہے۔سید حسن نصر نے بھی اقبال کو شدید تنقید کا ہدف بنایا ہے۔ڈاکٹر سنہا نے فلسفۂ اقبال کے بعض ناقدین غلام سرور اور پروفیسر شریف کی آرا اپنی تائید میں نقل کی ہیں اور اقبال کے ایک دوست عبداللہ یوسف علی مرحوم کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "Iqbal was a isolates figure"یعنی ''اقبال ایک غیر معروف یا مجہول آدمی تھے''۔اقبال دشمنی کی انتہا یہ ہے کہ مؤلف نے اپنی کتاب کے ضمیمہ میں جہاں عظیم حسن کی کتاب کا وہ حصہ نقل کیا ہے جو اقبال کے بعض ذاتی حالات و واقعات سے متعلق ہے اور جس میں اقبال پر ناشکری اور احسان فراموشی کا الزام عائد کیا گیا ہے۔ منشی عبدالرحمن خان ایک نیم پُخت شاعر کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ اس نے اپنی کتاب کی رونمائی کی تقریب میں اقبال کے خلاف خبثِ بطن کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ ''اقبال کے کلام اور افکار نے قوم کو اپاہج کر دیا ہے'' یا پھر یہ کہ ''حکیم الامت بن جانا آسان ہے مگر سیاسی کارکن بننا مشکل ہے''بزم اقبال لاہور نے ''اقبال اور مُلّا'' کے نام سے ایک رسالہ شائع کیا۔ جس میں خلیفہ عبدالحکیم نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ

علامہ نے مدعیان دین اور حامیانِ شرع و دین کو دین کے لیے ایک خطرہ سمجھتے تھے۔ اس طرح اس کتاب کے مصنف نے علمائے کرام کو ذلیل اور بدنام کرنے کے لیے اقبال کے نام ایسی باتیں منسوب کر دیں جن کی نہ ان سے توقع ہو سکتی تھی اور نہ فی الواقعہ انہوں نے ایسی باتیں کی تھیں۔ بلکہ ان کے ارشادات ان باتوں کی تردید و تکذیب کرتے ہیں۔

کشمیر کمیٹی قائم ہوئی تو اس کے سربراہ مرزا بشیر الدین محمود تھے۔ اقبال کو اس کمیٹی میں ایک رکن کی حیثیت سے کام کرنے کا موقع ملا۔ اقبال قادیانیوں کا بنظرِ غائر مطالعہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ مرزائی مسلمان نہیں ہیں۔ یوں اقبال کا ۱۹۳۵ء میں قادیانیت کے خلاف پہلا مضمون بعنوان "Qadianies and Orthodox Muslims": متعدد اخبارات وجرائد میں شائع ہوا۔ مضمون کے شائع ہوتے ہی قادیانی اقبال کے خلاف ہوگئے اور انہوں نے اقبال شکنی کی مہم تیز تر کر دی۔ چنانچہ علامہ اقبال کو اعتراضات کا نشانہ بنایا گیا۔ اس حوالے سے متعدد مضامین ''الفضل'' میں شائع ہوئے۔ لاہوری جماعت کے سربراہ نے ایک انگریزی رسالہ شائع کیا۔ جس میں یہ مؤقف پیش کیا گیا تھا کہ مرزا غلام احمد نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا اور اقبال کے اس بیان پر سخت تنقید کی کہ امام منتظر کا تصور مجوسی مذاہب کے ساتھ مخصوص ہے۔ اقبال کے پانچویں خطبے "The Spirit of Muslim Culture" پہ تنقید کی گئی اور ہفت روزہ اخبار لائٹ نے یہ رائے دی کہ حضرت علامہ کا یہ کہنا کہ باب نبوت مسدود ہے۔ مغرب سے مرعوبیت کا نتیجہ ہے۔ پروفیسر کے کے عزیز نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ تصور پاکستان اقبال کا نہیں ہے۔ ''لبرٹی'' کے مدیر ''انور شیخ'' نے اپنے مضمون ''اقبال غارت گر ملت'' میں اقبال کی ہندی دشمنی اوور مرزا غلام احمد قادیانی سے رقابت کا جائزہ پیش کیا ہے۔ لبرٹی کے ایک اور مضمون نگار محمد احمد جامی نے ''اقبال ایک متنازعہ شخصیت'' کے زیر عنوان ''الفضل'' کے حوالے سے کے۔ کے عزیز کا اقبال شکن بیان نقل کیا ہے۔ شمیم رجز نے ''صدائے احتجاج'' میں اقبال کو قادیانی ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ شمیم رجز کے بقول اس نے اقبال کو ''مظلوم اقبال'' کے بل بوتے پر قادیانی قرار دیا ہے۔ شیخ اعجاز احمد قادیانی نے مظلوم اقبال اور شیخ عبد الماجد قادیانی نے ''اقبال اور احمدیت'' میں اقبال اور قادیانیت کے بارے میں سنگین غلط فہمیاں پیدا کی ہیں۔ قادیانی لٹریچر میں سب سے زیادہ اعتراضات شیخ عبد الماجاد قادیانی نے کئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ: ''اقبال انگریزوں کا خوشامدی تھا عمر بھر انگریزوں کے قصیدے لکھتا رہا، بلکہ وکٹوریہ پہ قصیدہ، جنرل ڈائر پہ قصیدہ، انگریز سے سر کا خطاب لیا وغیرہ وغیرہ۔ اس نے اپنی تحریک سے یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اقبال انگریز کا ''گماشتہ'' ہے۔'' پنڈت جواہر لعل نہرو نے احمدیت کی حمایت میں چند مضامین لکھے تھے۔ جن کا مفہوم یہ تھا کہ احمدی حضرات دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہیں۔ اقبال کی تحریروں اور متون میں تحریف کے ذریعے اقبال شکنی کا ایک نیا رجحان دیکھنے میں آیا ہے۔ سمن آباد لاہور سے پچھلے چند برس میں اسی موضوع پر دو کتب شائع ہوئیں اس کا نوٹس اقبال اکادمی کے عہدیدار ڈاکٹر وحید عشرت نے بروقت لیا۔ اسی دوران لاہور سے نہرو کے نام اکابرین کے خطوط کے مجموعے "A bunch of old Letters" کا اردو ترجمہ بعنوان ''جدوجہد آزادی پر ایک نظر'' ملک اشفاق نے کیا۔ اس کتاب کا ترجمہ اس سے پہلے جامعہ ملیہ دہلی سے ۴۲۔۱۹۴۱ء میں ہو چکا تھا۔ ملک

اشفاق نے اقبال کے خط کے ترجمے میں اپنے مخصوص عقیدے کی حمایت میں خط کی عبارت میں تحریف کی ہے۔ مستزاد ہے کہ اس خط کی اور دیگر اہم عبارتیں بھی حذف کر دی گئی ہیں۔ جو قادیانیت کے خلاف ہیں۔ عبدالمجید سالک نے 'ذکرِ اقبال' میں اقبال اور خاندان اقبال کو قادیانی قرار دیا ہے۔ اس طرح کا کام چودھری محمد حسین نے بھی کیا ہے۔ شیخ اعجاز احمد کے بارے میں اقبال کے ردِ عمل کو چھپایا اور وہ خط ہی بدلوا دیا جس میں اقبال نے قادیانی عقائد کی بنا پر اسے جاوید اقبال کی گارڈین شپ سے محروم کیا تھا۔

اقبال نے ۱۹۲۴ء میں ''اجتہاد فی الاسلام'' کے موضوع پر انگریزی میں ایک مضمون تیار کیا۔ جو شیخ عبدالقادر کی صدارت میں حبیبیہ ہال اسلامیہ کالج لاہور میں پڑھا گیا۔ جس پر اقبال کو شدید تنقید کا سامنا کرنا پڑا۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے بھی اسے سرسری نگاہ سے دیکھا اور ناپسند فرمایا۔ مولانا ابوالحسن ندوی کے بقول سید سلمان ندوی نے اس تصنیف کے بارے میں کہا کہ اقبال یہ کتاب نہ لکھتے تو بہتر ہوتا۔ بقول سید نذیر نیازی کسی ہندی عالم نے قاہرہ کے علماء سے درخواست کی تھی کہ خطبات میں پیش کردہ نظریات کو سرسید کے نظریات کی طرح کفریات قرار دیا جائے۔ ڈاکٹر جاوید اقبال لکھتے ہیں کہ ۱۹۸۴ء میں ریاض میں ایک سوڈانی عالم کی تحریک پر اقبال کی تصنیف ''تشکیلِ جدید الٰہیات اسلامیہ'' کو کفریات پر مبنی قرار دیا گیا ہے۔ خطبات پر مذہبی نقطۂ نظر سے اعتراضات بھی کئے گئے۔ خصوصاً علامہ کا جنت اور دوزخ کو کیفیات نہ کہ مقامات قرار دینا۔ ڈاکٹر غلام محمد کے کچھ 'امالی' بھی سامنے آئے ہیں جنہیں سید سلمان ندوی سے منسوب کیا جارہا ہے یہ اقبال شکنی' کا پلندہ ہیں۔ اقبال کے فہم قرآن کو ناقص اور عربی نہ جاننے کا الزام لگایا گیا ہے۔ نیز یہ کہ اقبال نے اپنے خطبات سے رجوع کر لیا تھا۔ ڈاکٹر محمد البہی نے اپنی کتاب ''الفکر الاسلامی'' میں خطبات اقبال پر تحسین و تعریض کی ہے۔ برہان الدین فاروقی اپنی غیر مطبوعہ کتاب Iqbal's Reconstruction میں اصولِ تطبیق سے عدم اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے ہر خطبے پر تعرض کرتے گئے ہیں۔ محمد سہیل عمر بھی ''خطباتِ اقبال نئے تناظر میں'' ڈاکٹر فاروقی کی تقلید کرتے ہیں۔ ڈاکٹر صلاح الدین درویش نے اپنی کتاب ''فکر اقبال کا المیہ'' میں اقبال کو مادی ترقی، جدید علوم اور جدید تہذیب کا مخالف قرار دیا ہے۔ ایس ایم رشید "Iqbal's Concept of God" کے مقدمے میں لکھتے ہیں کہ اقبال نے اپنا تصور خدا مغربی فلسفہ و سائنس سے اخذ کیا ہے اور ان کے فلسفے کو مسخ کر دیا ہے۔ مغرب کے ہمہ اوست کو قرآن اور اسلامی روایت سے جوڑا ہے۔ مگر اس لیے بھی ناکام رہے ہیں۔ سید حسن نصر افسوس کا اظہار کرتے ہیں کہ جدیدت زدہ مسلمانوں کا ایک کافی حصہ ارتقایت کو ایمان کا حصہ خیال کرتا ہے جس میں اقبال بھی شامل ہیں۔ انہوں نے علامہ اقبال کو شدید تنقید کا ہدف بنایا ہے۔ حیات بعد ممات کے حوالے سے علی عباس جلالپوری دعویٰ کرتے ہیں کہ اقبال نے سوفسطائی موشگافیوں پر اکتفا نہیں کیا بلکہ صاف الفاظ میں معاد اور بعثت بعد الموت سے انکار کر دیا ہے۔ خطباتِ اقبال کو اے ایس ٹرنن نے شدید تنقید کا نشانہ بنایا۔ ٹرنن نے مغربی فلسفہ پر اقبال کی تنقید کو سطحی اور ناروا قرار دیا ہے اور الزام عائد کیا ہے کہ اقبال نے عیسائیت پر ناقابلِ قبول حملے کئے ہیں اور گولڈ زیہر کی غلط تعبیر کی ہے۔ کانٹ ویل سمتھ نے "The Modern Islam in India" میں خطبہ

اجتہاد کو اقبال کا کمزور ترین خطبہ قرار دیا ہے۔ ایچ اے آرگب نے سمتھ کی پیروی میں اقبال کو شدید تنقید کا ہدف بنایا ہے۔ڈاکٹر منظور احمد نے اپنی تصنیف ''اقبال شناسی'' میں اجتہاد کے تناظر میں علامہ اقبال پر اعتراضات کئے ہیں۔ مولانا زاہد الراشدی اعتراض کرتے ہیں کہ اقبال چونکہ خود مجتہد اور فقیہ نہیں تھے۔ اس لیے یہ ان کے شعبے کا کام نہیں کہ وہ اجتہاد اور فقہ کے عملی پہلوؤں ترجیحات اور دائرہ کار کا تعین کرے۔ جون ۲۰۰۶ء کے ساحل کراچی کے شمارے میں خطباتِ اقبال کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ اور ''خطباتِ اقبال: تحقیقی جائزہ'' کے عنوان سے مولوی خالد بن حسن کا تحریر کردہ اداریہ اقبال شکنی پر مشتمل ہے۔

الطاف احمد اعظمی نے ''خطباتِ اقبال ایک مطالعہ''میں اقبال کے خطبات پر شدید اعتراضات کرتے ہوئے انھیں کفر و شرک سے آلودہ قرار دیا ہے۔ الطاف اعظمی' اقبال پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اقبال کا مطالعۂ قرآن زیادہ عمیق نہیں تھا۔ الطاف اعظمی' اپنے ادبی مقالات کے مجموعے ''سخن ہائے گفتی''میں بھی اقبال کو ہدفِ تنقید بناتے ہوئے انھیں وحدت الوجودی قرار دینے پر زور دیتے ہیں۔ ڈاکٹر آراے نکلسن Reynold A. Nicholson نے 'اسرارِ خودی' کا انگریزی ترجمہ "The Secrets of Self" کے عنوان سے کیا لیکن نکلسن کا یہ جملہ کہ اقبال کا فلسفہ بڑی حد تک نیٹشے اور برگساں کا مرہون منت ہے مغرب میں ایک حد تک جبکہ مشرق میں بڑی حد تک اقبال شکنی کا مظہر بنا۔ ۱۰ ستمبر ۱۹۲۰ء کو 'اسرار خودی' پر ای ایم فاسٹر کے تبصرے میں بعض مقامات پر تعرض سے کام لیا گیا ہے۔ ۲۴ دسمبر ۱۹۲۰ء کو ''دی نیشن'' لندن میں اسرار خودی پر ڈکنسن کا ریویو شائع ہوا جو کہ مخالفانہ انداز میں تھا۔ ''اسرارِ خودی'' پر ایل ڈکنسن نے اپنے ریویو میں اقبال پر متعدد اعتراضات کئے جن میں سے ایک یہ ہے کہ اقبال کا فلسفہ زیادہ تر مغربی مصنفین پر مبنی ہے۔ نیز اقبال نے پرانی بوتلوں میں نئی شراب بھر کر پیش کی ہے۔ اقبال کا فلسفہ آفاقی ہے لیکن اس کا اطلاق مسلمانوں تک محدود ہے اور اقبال کی حیثیت سرخ سیارے کی سی ہے۔ کانٹ ویل سمتھ "Modern Islam in India"میں اقبال کو ترقی پسند اور نیٹشے نیز برگساں کا خوشہ چین قرار دیتا ہے۔ افسوس ناک بات یہ ہے کہ آل احمد سرور سمتھ سے متاثر ہوئے۔ انہوں نے اپنے مضمون ''اقبال اور اس کے نکتہ چیں'' میں سمتھ کے اعتراضات کو نقل کرنے کے بعد اقبال پر تعرض کیا۔ ایچ اے آرگب کی اسلام پر دوسری تصنیف Modern Trend in Islam میں اقبال کے حوالے سے ان کا رویہ اقبال شکنی پر مبنی ہے۔ اس کے بقول اقبال نے جنگجو مسلم لیگ کا ساتھ دیا۔ عورت کو مظلوم رکھنے کی حمایت کی اور اس طرح ماڈرن ازم کا جنازہ نکال دیا۔ اسلام پر گب کی تیسری کتاب Mohammadism ہے۔ جس میں اس نے اقبال کو صوفی لکھا ہے اور کہا ہے کہ فکرِ اقبال کی بنیاد متصوفانہ فلسفہ ہے۔ جسے نیٹشے کے سپر مین اور برگساں کے تصور زماں کے مطابق ڈھال لیا ہے۔ الفرڈ گیوم نے اپنی کتاب 'اسلام 'میں ڈھائی صفحات اقبال پر لکھے ہیں اور اقبال کو مسلمانوں اور عیسائیوں کی نظر میں گرانے کی مذموم کوشش کی ہے۔ اس نے اقبال کے تصور تقدیر پر تنقید کی اور جنت اور دوزخ کے بارے میں اقبال کے خیالات کو خطرناک بدعت

قرار دیا ہے۔ پروفیسر رسل نے ''اقبال بھی اقبال سے آگاہ نہیں ہے'' سے استشہاد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:''خود آگہی کی یہ کمی ہی غالباً ان ابہامات اور تضادات کی ذمہ دار ہے جو میں نے بیان کئے ہیں'' ۔

تاراچرن رستوگی نے اپنے تھیسس Western Influence in میں اقبال کو مغربی مفکرین کا خوشہ چین قرار دیا ہے۔ علی عباس جلالپوری کے ۔نزدیک اقبال کا نظریۂ خودی بہ تمام و کمال نیٹشے سے ماخوذ ہے۔ فراق گورکھ پوری کے خیال میں ''اقبال کا من گھڑت فلسفہ خودی یا بے خودی جرمن مفکر نیٹشے سے مستعار ہے۔ جوش کے نزدیک اقبال نے نیٹشے کے 'مافوق البشر' کو مشرف بہ اسلام کر کے ''شاہین بچہ'' بنا دیا۔ 'سبطِ حسن' کے بقول اقبال فلسفۂ خودی کا موید ہے اور خودی کی تکمیل کو زندگی کا مقصد سمجھتا ہے یہ اسکا اپنا فیصلہ نہیں ہے کہ اس سے پہلے کئی فلسفیوں نے اسی خودی کی تکمیل کی تعلیم دی ہے۔ ہیگل اس فلسفہ کا جدید ترین موید ہے۔ 'حمید نسیم' کے بقول اقبال نے اپنے تعقلِ خودی کی تشکیل میں برگساں کے تخلیقی ارتقا کے نظریہ سے اکتساب معارف کیا۔ روسی مصنفہ اسٹیسپاناس اپنی کتاب Pakistan, A philosophy and sociology میں لکھتی ہیں کہ:''بعض محققین کے نزدیک اقبال کا فلسفہ نیٹشے کے فلسفے کی کاربن کاپی ہے۔''(۱۶) اشفاق علی خان مخالفینِ اقبال میں شامل ہیں ان کے خیال میں خودی کے ضمن میں اقبال اور اوریجنل نہیں تھے۔ شمیم حنفی کے بقول اقبال نے فوق البشر کا تصور ملٹن سے لیا ہے۔ جیو ٹیلی ویژن نے ''میں نہیں مانتا'' کے عنوان سے ایک پروگرام کا آغاز کیا تھا۔ اس سلسلے کے ایک پروگرام میں 'ڈاکٹر مبارک علی ' نے اقبال سے متعلق ایسی باتیں منسوب کیں جو اقبال نے کبھی نہیں کہی تھیں جن موضوعات پر اقبال نے مفصل کتابیں تحریر کیں ان کے بارے میں فرمایا کہ ان پر اقبال نے کچھ نہیں لکھا۔ مبارک علی کہتے ہیں کہ اقبال نے برطانوی سامراج کے خلاف کچھ نہیں لکھا۔ مبارک علی کو اس بات پر شدید اعتراض ہے کہ اقبال نے فارسی میں کیوں لکھا۔ اس ضمن میں مبارک علی صاحب کو یہ اعترض بھی ہے کہ اقبال نے جارج پنجم کا قصیدہ کیوں لکھا تھا؟ان کے بقول قائداعظم سے اقبال کی خط و کتابت محض خط و کتابت ہی تھی اسے تحریکِ پاکستان میں ان کی شمولیت نہیں سمجھنا چاہیے۔ مبارک علی کہتے ہیں کہ اقبال نے شروع میں ہندوستان کے لیے شاعری کی اور بعد میں صرف مسلم امت کے لیے مخصوص ہو گئے نیز اقبال نے فارسی میں شاعری اس لیے کی کہ وہ زیادہ لوگوں تک پہنچ سکیں۔ مبارک علی کے خیال میں اقبال ماضی پرست تھے۔ ڈاکٹر حمید اللہ کے بقول مجھے شخصی طور پر ناصحِ بے عمل سے کچھ زیادہ طبعی لگاؤ نہیں ہوتا۔

اقبال کی زندگی میں ہی ناقدین اور معترضین نے اقبال شکنی کی روایت ڈال دی تھی ان کے زبان و بیان فکر اور شخصیت پر طرح طرح کے اعتراضات اٹھائے گئے۔ بعض اعتراضات کے جوابات اقبال نے اپنی زندگی میں ہی دے دیئے تھے۔ علمی و فکری یا فنی و ادبی اعتراضات میں کوئی حرج نہیں مگر جب اعتراضات تعصب یا دشمنی کی بنیاد پر کئے جائیں تو یہ کم فہمی اور کوتاہ نظری کا نتیجہ ہیں۔ اقبال نے جب شاعر کی حیثیت سے اپنی زندگی کا آغاز کیا اور بحیثیت شاعر اپنے آپ کو مخزن و دیگر جریدوں میں متعارف کروایا تو اقبال شکنی ان کے شاعرانہ کلام میں فنی معائب تک محدود تھی اور جن میں اکثر و بیشتر اہلِ زبان شامل تھے جو صوبائی تعصب کی بنا پر پنجاب میں کسی عظیم اردو شاعر کے وجود کو تسلیم

کرنے کے لئے تیار نہ تھے مگر جب انہوں نے شاعری کے روپ میں اپنا پیغام خودی پیش کرنا شروع کیا اور بالخصوص وجودی تصوف ، حافظ شیرازی کے پیروکاراور فرسودہ یونانی فلسفہ اشراق کے حامی سب ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔اس کے بعد احیائے اسلام اور نئے مسلم معاشرے سے متعلق اقبال کے حرکی اور اجتہادی نقطہ نظر یا اسلامی فقہ یا قانونِ شریعت کی تعبیر نو پر اصرار کے سبب علما ان کے مخالف ہوئے پھر سیاسی میدان میں مسلمانوں کی علاحدہ شناخت مسلم نیشلزم کی بنیاد پر الگ مسلم ریاست کے قیام کی تجویز کے باعث ہندو قوم پرست اور ان کے مسلم حمایتی ان کے خلاف ہو گئے۔ پس علاقائی، فرقہ وارانہ، سیاسی یا نظریاتی تعصب کی بنا پر اقبال کی نہ صرف شدید مخالفت ہوئی بلکہ ان کی کردار کشی کی باقاعدہ مہم کا آغاز بھی کیا گیا۔ اقبال کے کچھ معترضین نے ان کی شاعرانہ عظمت کو تو تسلیم کیا ہے لیکن ان کی فکر کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا جن میں مجنوں گورکھ پوری اور حمید نسیم قابلِ ذکر ہیں۔ بیشتر اقبال دشمن اقبال دوست بھی تھے جن میں خواجہ حسن نظامی ، سردار جعفری اوراحمد ندیم قاسمی شامل ہیں۔ متعدد اقبال شناس وہ بھی ہیں جنہوں نے اقبال کا دفاع بھی کیا لیکن اعتراضات بھی کئے۔ جن میں ڈاکٹر جاوید اقبال،ڈاکٹر سلیم اختر ،ڈاکٹر وحید عشرت وغیرہ شامل ہیں۔ خلیفہ عبدالحکیم جیسے اقبال شناس نے بھی اقبال پر مغرب دشمنی کا الزام عائد کیا۔ آل احمد سرور ، مولانا ابوالحسن ندوی، سلیم احمد ، آسی ضیائی،ڈاکٹر محمد صادق اور پروفیسر رالف رسل جیسے اقبال دوستوں نے بھی ان پر نقد کیا ۔ مستشرقین میں این میری شمل کو اقبال شناسوں میں ایک بلند مقام حاصل ہے لیکن انہوں نے بھی اقبال پر اعتراضات کئے۔ اقبال شکنوں میں چند نمایاں نام جوش ملسیانی، جوش ملیح آبادی، سبطِ حسن، اختر حسین رائے پوری، پروفیسر احمد علی ،چوہدری رحمت علی، فراق گورکھ پوری، ایچ اے آرگب ، ایڈورڈ تھامسن، کانٹ ویل سمتھ، ایل ڈکسن،ڈاکٹر کنور کرشن بالی، خوشونت سنگھ ،اقبال سنگھ ،ڈاکٹر تاراچرن رستوگی،ڈاکٹر سچدانند سنہا، ایم۔ ایس رشید، علی عباس جلالپوری، محمد امین زبیری، عتیق صدیقی، برکت علی گوشہ نشین، مولوی صاحبزادہ اقتدار، راجندر ناتھ شیدا، مولوی دیدار علی، حسین نصر، کے کے عزیز، سیماب اکبر آبادی ، محمد عظیم فیروز آبادی، مرزا یاس یگانہ، انور شیخ، آفتاب اقبال، شمیم رجز، عبدالمالک آروی، یوسف ثانی، حکیم تاج الدین اور شیخ عبدالماجد قادیانی وغیرہ کے ہیں۔ ان کے علاوہ مولانا حسین احمد مدنی ، علامہ مشرقی اور ابوالکلام بھی اقبال شکنوں میں شامل ہیں۔ اقبال شکنی کا یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے لیکن اقبال کے ناقدین اقبال کے قد کاٹھ میں کمی کرنے کی بجائے ناکام و نامراد ٹھہرے ہیں جو کہ اقبال کے عظیم ہونے کی دلیل ہے۔

حوالہ جات

۱۔ جگن ناتھ آزاد کے خیال میں ''تنقید ہمدرد'' کے نام سے اقبال کے اشعار پر اعتراضات حسرت موہانی نے کئے تھے (اقبالیات ۔ ۲۔ سری نگر، ۱۹۸۲ء، ص: ۳۳۰) ڈاکٹر گیان چند کا مؤقف بھی یہی ہے۔ (ابتدائی کلام اقبال بہ ترتیب مہ و سال ص: ۱۰۳، ۱۶۹) نیز اکبر حیدری نے بھی پورے وثوق سے اس مؤقف کا اظہار کیا ہے کہ ہحسرت موہانی نے اقبال کی زبان پر اعتراضات کی بوچھاڑ کر دی اور بار بار کہتے رہے کہ '' اقبال اردو کو الٹی چھری سے ذبح کر

رہے ہیں۔ (اقبالیات۔۱، ۱۹۸۱ء ، ص: ۴۳۔۴۴)اکبر حیدری کشمیری نے اپنی کتاب ''اقبال کی صحتِ زبان'' (۱۹۹۸ء) میں بھی پورے وثوق سے لکھا ہے کہ ''حکیم عبدالکریم تخلص برہم نے ''تنقید ہمدرد'' کے فرضی نام سے اقبال کی زبان کے خلاف ایک معرکہ آرا مضمون ''اردو زبان پنجاب میں'' کے عنوان سے شائع کیا۔ (اقبال کی صحتِ زبان، ص:۱۶) ماہر اقبالیات عبدالطیف اعظمی اپنے مضمون ''ترانۂ ہندی کا تنقیدی مطالعہ'' میں اس بات سے اختلاف کرتے ہیں کہ ''تنقیدِ ہمدرد'' کے نام سے حسرت موہانی لکھا کرتے تھے۔ (شاعر اقبال نمبر ۱۹۸۸ء، ص؛ ۱۱۶) صابر کلوروی نے 'باقیات شعر اقبال، میں لکھا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اعتراضات حسرت موہانی نے کئے تھے۔ (باقیاتِ شعر اقبال، ص:۱۳)

۲۔ اکبر حیدری کشمیری، ''اقبال کی زبان پر ایک ادبی معرکہ''، مشمولہ ''صحیفہ'' اکتوبر۔ دسمبر ۱۹۹۴ء، ص:۲۹

۳۔ رفیع الدین ہاشمی، پروفیسر، ۱۹۸۶ء کا اقبالیات ادب، ایک جائزہ، ص:۸۸

۴۔ ماہنامہ ''انشا'' ادیبوں کی حیاتِ معاشقہ، ص:۲۰۱

۵۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اقبالیات کے نقوش، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۷۷ء

۶۔ گیان چند، ڈاکٹر، ابتدائی کلام اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، طبع اول، ۲۰۰۴ء، ص:۳۱۸

۷۔ ''شاعر'' اقبال نمبر ۱۹۸۸ء، بمبئی صفحات:۸۴۰۔۸۴۱

۸۔ عبدالمالک آروی، اقبال کی شاعری، نظامی پریس، بدایوں (بھارت) ۱۹۵۵ء، ص:۶۲

۹۔ مولانا ظفر علی خان کی نظم کا مطلع یہ ہے: سر فروشوں کے ہیں ہم سر، آپ ہیں سرکار کے آپ کا منصب ہے سرکاری ہمارا خانگی

۱۰۔ اقبال اور ان کا پیغام، صفحات:۱۷، ۱۸، ۲۰

۱۱۔ Iqbal Singh, The Ardent Pilgrim, An Introduction to the life and work of Muhammad: Oxford University Press, Delhi, 2nd Edition, 1997, Pages: 73-84

۱۲۔ ا قبال اجمالی تبصرہ، ص:۸۳

۱۳۔ الرشید مدنی و اقبال نمبر، ص:۳۲۹

۱۴۔ مکتوباتِ شیخ الاسلام، جلد سوم، ص:۱۴۱

۱۵۔ سندھ کوارٹرلی، جلد، ۱، شمارہ:۲۵، ۱۹۸۷ء، ص:۸۹

۱۶۔ تحسین فراقی (مرتبہ) نقدِ اقبال حیاتِ اقبال میں، بزمِ اقبال لاہور، ۱۹۹۶ء، ص:۲۳۵